اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاۤ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (البقرہ:127)

وقال اللہ تعالٰی فی مقام اخر

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ

(ال عمرٰن:35)

وقال اللہ تعالٰی فی مقام اخر

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المآئدہ:27)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

قابلیت اور قبولیت کا مفہوم:۔

دو الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ایک قابلیت اور دوسرا قبولیت ۔ان کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔قابلیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر استعداد ہو، صفات ہوں، کمالات ہوں ۔اچھے خاندان سے ہو،حسن و جمال میں بھی اعلیٰ ہو،فضل وکمال میں بھی اعلیٰ ہو،علم میں بھی اعلیٰ ہو،افہام وتفہیم میں بھی اعلیٰ ہو، ہر کام میں سلیقہ مندی ہو،اپنے کاموں کو اچھی طرح سمیٹنا جانتا ہواور اس کے اندر قائدانہ صلاحیتیں ہوں۔ یہ تمام چیزیں قابلیت کہلاتی ہیں ۔اور قبولیت یہ ہوتی ہے کہ یہ بندہ اللہ رب العزت کو پسند بھی آجائے ۔اس سے پتہ چلا کہ قابلیت اور چیز ہے اور قبولیت اور چیز ہے۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ قابلیت ہونے کے باوجود اس بندے کو قبولیت نہیں ملتی۔ یہ بڑے خطرے کی بات ہوتی ہے۔اس کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

قابلیت کے باوجود قبولیت نہ ملنے کے واقعات

ابلیس کا راندۂ درگاہ ہونا:

عزازیل (شیطان) نے اللہ رب العزت کی اتنی عبادت کی کہ گویا اس نے زمین کے چپے چپے پہ سجدے کیے۔حتی کہ اس کو طاؤس الملائکہ کا لقب ملا۔اتنا عبادت گزار ہونا قابلیت کی بات ہے۔اس کے پاس علم بھی تھا۔اسی لئے تو جب اللہ رب العزت نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہ کیا تو وہ آگے سے دلیل پیش کرنے لگا کہ

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (الاعراف:12) میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا (جو بلندی کی طرف مائل ہوتی ہے) اور اس (آدمؑ) کو مٹی سے پیدا کیا (جس میں پستی ہے)

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شیطان عابد بھی تھا، عالم بھی تھا، بلکہ فرماتے ہیں کہ یہ عارف بھی تھا، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر فرمایا

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (الحجر:34) پس تو میرے دربار سے دفع ہو جا، تو مردود ہے

تو اس کو پتہ تھا کہ عین جلال کے عالم میں بھی اللہ رب العزت کا جمال اس سے جدا نہیں ہوتا، لہٰذا فوراً کہنے لگا،

رَبِّ اَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (الاعراف:14) اے پروردگار!، مجھے قیامت تک مہلت دے دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمادیا،

اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (الاعراف:15) تجھے قیامت تک کے لئے مہلت دے دی گئی۔

تو یہ کمالات کی باتیں ہیں۔ وہ عالم بھی تھا، عابد بھی تھا، عارف بھی تھا، مگر اس کے اندر ایک صفت کی کمی رہ گئی کہ وہ عاشق نہیں تھا۔ اگر عاشق ہوتا تو کبھی حکم محبوب سن کر انکار نہ کرتا۔ جیسے حکم ہوا تھا یہ فوراً سجدے میں جا گرتا۔ لہٰذا ان تمام کمالات کے باوجود اسے پھٹکار دیا گیا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا،

وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (الحجر:35) قیامت تک کے لئے تجھ پر میری لعنتیں برستی رہیں گی۔ گویا اس کے اندر قابلیت تو تھی مگر قبولیت نہ پا سکا۔

فرعون کا نشان عبرت بننا:

فرعون بے عون وقت کا بڑا ظالم اور جابر بادشاہ تھا۔ وہ اتنا باغی طاغی بنا ہوا تھا کہ جب اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اس کے دربار میں جانے کا حکم فرمایا تو ارشاد فرمایا

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (طٰہٰ:24) جائیے فرعون کی طرف بے شک وہ بڑا سرکش ہو رہا ہے۔

اس کی حکومت اتنی پاور فل (طاقت ور) تھی کہ وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کر دیتا تھا اور اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ آپ ذرا غور کیجئے کہ آج کا بڑے سے بڑا حاکم کسی کے بچے کو ذبح کر کے تو دیکھے، دوسرے دن اس کی کرسی بدلی ہوئی ہوگی۔ اس نے ہزاروں بچوں کو ذبح کروایا اور اس کی حاکمیت پر اس کا کوئی اثر بھی نہ ہوا۔ مفسّرین نے لکھا کہ اس نے تقریباً سو سال عمر پائی اور اس کی صحت اتنی اچھی تھی کہ کبھی اس کے سر میں درد بھی نہ ہوا۔ اس کی صحت بھی تھی، خزانے بھی تھے، اختیار بھی تھا اور اس کے پاس نظم و نسق کی صلاحیت بھی تھی۔ چنانچہ وہ ایک مرتبہ اپنی قوم سے کہنے لگا،

اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ (الزخرف:51) کیا یہ ملک مصر میرا نہیں،

اور کیا یہ نہریں میرے تحت نہیں بہہ رہیں۔

اس کو اپنے نظام آبپاشی پر اتنا فخر تھا۔لیکن ان تمام صلاحیتوں کے باوجود اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت نہ ہوئی۔ چنانچہ اسے ایمان قبول کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ڈوبتے ڈوبتے اور مرتے مرتے کہنے بھی لگا،

میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آیا

مگر فرمایا، الٓئن (اب ایمان لائے ہو)

(اب بہت دیر ہوگئی) It,s too late...!!!

اس کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن کو محفوظ فرما دیا تا کہ بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کی نشانی بنی رہے۔

عمر ابن ہشام کی ایمان سے محرومی:

عمر ابن ہشام کا شمار مکہ کے انتہائی دانا لوگوں میں ہوتا تھا۔اس کو اپنے آپ پہ اتنا ناز تھا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام بھی عمر تھا،مگر وہ کہتا تھا کہ مجھے عمر کہنا چاہیے اور آپ کو اسم تصغیر کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایمان لانے سے پہلے عمیر کہا جاتا تھا۔ وہ انہیں عمر نہیں کہلوانے دیتا تھا۔وہ کہتا تھا کہ عمر میں ہوں۔وہ اتنا دانا تھا کہ جو معاملات لوگوں سے نہیں سمٹتے تھے انہیں وہ اکیلا سمیٹ دیتا تھا۔اس لئے لوگوں نے اس کا نام،اَبَا الْحِکَمْ (داناؤں کا باپ) رکھا۔اور جب اس نے دین کو قبول نہ کیا تو نبی ﷺ نے اس کا نام ابوجہل رکھ دیا۔یعنی تو جاہلوں کا باپ ہے۔دیکھیں کہ قابلیت اتنی کہ وہ قریش کا سردار ہے اس کی پرسنیلٹی (شخصیت) کتنی خوبصورت ہے،اس کے پاس مال و دولت ہے،لوگ اس کے اشارے پر ناچنے کو تیار ہیں مگر اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت حاصل نہ ہوئی

اور وہ اس دنیا سے ایمان کے بغیر رخصت ہو گیا۔

ولید کو اس کا تکبّر لے ڈوبا:

ایک اور سردار کا نام ولید پلید تھا۔ اس کے بارہ بیٹے تھے۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ جب وہ اس کے گرد بیٹھتے تھے تو اس کو بڑا فخر ہوتا تھا اور وہ کہتا تھا کہ اس وقت پوری دنیا میں میرے جیسا کوئی اور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا،

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا (المدثر:11) مجھے اور اسے چھوڑ دیجیے جو اپنے آپ کو وحید الزمان سمجھتا ہے وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ○ وَّ بَنِیْنَ شُهُوْدًا ○ وَ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا (المدثر:14-12)

اور اسے مال دیا بڑھنے والا اور بیٹے دیے حاضر رہنے والے اور اس کیلئے ہر طرح کا سامان تیار کر دیا

اب دیکھیں کہ یہ ساری چیزیں اس کے پاس تھیں لیکن اللہ رب العزت کے ہاں اس کی قبولیت نہ ہوئی اور ایمان سے محروم رہ گیا۔ حالانکہ ایک دفعہ اس نے سرداران قریش کے پاس ایک محفل یہ کہا بھی کہ میں خود شاعر ہوں اور کلام و بیان کو سمجھنے والا ہوں مجھے یہ قرآن شاعری نہیں لگتی نہ کسی دیوانے بات لگتی ہے ۔لیکن جب لوگوں نے پوچھا کہ قرآن مجید کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس نے برادری اور لوگوں کو خوش کرنے کیلئے کہا، میں سوچ کر بتاتا ہوں۔ پھر تھوڑی دیر سوچنے کا سا انداز بنا کر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہو کر آیا ہے۔ تو اسی بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے کہ

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ○ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ○ (المدثر:19-18)

بے شک اس نے سوچا اور اندازہ لگایا، پھر اسے اللہ کی مار، کیسا اس نے اندازہ لگایا۔

دیکھئے کہ کیا ہی شاہانہ انداز میں اللہ تعالیٰ اس کا حال بیان کر رہے ہیں..... چنانچہ وہ ولید پلید بھی بالآخر

اللہ رب العزت کے دربار سے دھتکار دیا گیا۔

ابوالفضل اور فیضی کی محرومی:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں دو بھائی تھے ایک کا نام تھا ابوالفضل اور دوسرے کا نام تھا فیضی۔ وہ دونوں اپنے وقت کے بڑے بھاری عالم تھے۔ان کے علم کا یہ حال تھا کہ انہوں نے عربی زبان میں قرآن مجید کی ایک بے نقطہ تفسیر لکھی۔یعنی اس تفسیر میں با،تا،ثا،جیم،خا،ذال، زا،شین،غین،نون وغیرہ میں سے کوئی حرف بھی کہیں استعمال نہیں ہوا۔انہوں نے اس تفسیر کا نام ''سواطع الالہام'' رکھا۔اس نام میں بھی نقطہ نہیں ہے۔ مجھے ایک لائبریری میں وہ تفسیر دیکھنے کا موقع ملا، میں حیران تھا کہ انہوں نے ایسے الفاظ کہاں سے ڈھونڈے ہوں گے۔ پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھنا ہی کتنا بڑا کام ہے،اور پھر ایسے الفاظ سے لکھنا جن میں کوئی نقطہ ہی نہ ہو، بہت مشکل کام ہے۔ظاہری طور پر دیکھئے کہ کتنی قابلیت ہے۔ بلا کے ذہین تھے،دونوں کے پاس فوٹو گریفک میموری تھی۔

ابوالفضل بڑا تھا۔اس کے سامنے اگر کوئی چیز دومرتبہ پڑھ دی جاتی تھی تو اسے زبانی یاد ہو جاتی تھی۔اور فیضی چھوٹا تھا۔اس کے سامنے اگر کوئی چیز ایک مرتبہ پڑھ دی جاتی تھی تو اسے زبانی یاد ہو جاتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت کے شعراء کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ جب کوئی شاعر بادشاہ کی منقبت لکھ کر لاتا تو بادشاہ اسے دربار میں کہتا کہ اپنا کلام پیش کرو۔ وہ کھڑے ہو کر پڑھتا تو فیضی کو وہ منقبت یاد ہو جاتی اور وہ اٹھ کر کہتا، بادشاہ سلامت! یہ تو میرا کلام ہے۔ بادشاہ کہتا کہ اگر یہ تیرا کلام ہے تو پھر سناؤ۔ وہ کھڑے ہو کر پوری منقبت سنا دیتا۔ اب جب یہ سناتا تو دو دفعہ ہو جاتا۔اس کے بعد بڑا بھائی بھی کھڑے ہو کر کہتا، بادشاہ سلامت! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ میرے بھائی کا کلام ہے اور پھر وہ بھی سنا دیتا تھا۔اندازہ کریں کہ وہ اتنے ذہین تھے اور ان کے پاس اتنا علم تھا مگر اللہ رب العزت کے ہاں ان کی

قبولیت نہ ہوئی اور فقط درباری ملا بن کر رہ گئے۔ یہی دو بھائی تھے جنہوں نے وقت کے بادشاہ کو فتویٰ دیا تھا کہ اس کے لئے تعظیمی سجدہ کرنا جائز ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت انہی دونوں نے کی اور ان کو جیل میں بھی انہی دونوں نے پہنچایا۔ یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ دونوں وقت کے مجدد کے دشمن بن گئے تھے۔

ایک عام سی مثال:

ایک عام سی مثال سمجھ لیں کہ ایک عورت اچھے خاندان سے ہو، بڑی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو، شکل کی بہت ہی خوبصورت ہو، سمجھدار اور سلیقہ مند ہو اور گھر کے ہر کام اور ہنر کو سمجھتی ہو تو یہ تمام چیزیں اس کی ''قابلیت'' کہلاتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے خاوند کو پسند بھی آجائے تو اس کو ''قبولیت'' کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات خوبصورت عورتوں کو بھی طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ طلاق کوئی بندہ خوش ہو کر تو نہیں دیتا، ہمیشہ ناپسند کر کے بیوی کو اپنے سے جدا کیا جاتا ہے۔

ہمارے ایک دوست کہنے لگے کہ میری پانچ بہنیں ہیں۔ ان میں سے چار کی شکل وصورت اور تعلیم اوسط درجے کی تھی۔ ان میں سے ایک بہن ایسی تھی کہ ہم بھی اس کی ذہانت اور اس کے حسن و جمال پر حیران ہوتے تھے۔ جب کوئی عورت ہمارے گھر رشتہ دیکھنے آتی تو میری امی اس بہن کو الماری کے پیچھے چھپا دیتی تھی تا کہ کسی کی نظر نہ پڑ جائے ورنہ وہ اسی کا رشتہ مانگے گی۔ وہ کہنے لگے کہ حیرت کی بات ہے کہ پانچوں بہنوں کی شادیاں ہوئیں، ان میں سے باقی چاروں بہنوں کو اپنے خاوندوں کی محبّتوں بھری زندگی نصیب ہوئی اور اس خوبصورت بہن کو طلاق ہو گئی اور وہ گھر واپس آ گئی۔ اس سے پتہ چلا کہ قابلیت الگ چیز ہے اور قبولیت الگ چیز ہے۔

قبولیت پانے والوں کی مثالیں

سیدنا ابراہیمؑ کی قبولیت:

سیدنا ابراہیمؑ کو قبولیت کی فکر لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے اللہ کا گھر بنایا اور فوراً دعا مانگی۔ قرآن مجید نے اس دعا کو بیان کیا، فرمایا،

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (البقرہ:127) اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اللہ کے گھر کی بنیادیں کھڑی کر رہے تھے، (اس وقت کہا) اے ہمارے پروردگار! اس کو ہم سے قبول فرما لیجئے۔

جو قبول ہوتے ہیں ان کو یوں فکر لگی ہوتی ہے۔ ابھی کام کی ابتدا کر رہے ہیں اور ابھی سے فکر ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں یہ قبول ہو جائے۔..... سبحان اللہ..... چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کو قبول فرمایا، اور ساتھ ہی فرما دیا،

وَ اِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ:124)

اور جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا، وہ اس میں سو فیصد کامیاب ہو گئے، فرمایا، ابراہیم! میں تجھے انسانوں کا امام بناؤں گا۔

یہ قبولیت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو انسانوں کا امام بنا دیا اور قرآن مجید میں اتنے پیارے انداز سے ان کا تذکرہ کیا کہ جب کبھی یہ آیتیں پڑھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً (النحل:120) بے شک ابراہیم علیہ السّلام ایک امت تھا۔

بعض اوقات ایک فرد اپنی ذات میں ایک انجمن اور ادارہ ہوتا ہے۔اسی طرح وہ فرد واحد تھے لیکن اللہ رب العزت کے ہاں ان کا مرتبہ اتنا تھا کہ ان کو ایک امت قرار دیا۔آگے فرمایا،

قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ○ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (النحل:123-120) وہ سب سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور نہ تھے شرک کرنے والوں میں سے، اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے ، اللہ تعالیٰ نے انہیں پسند فرما لیا، اور ان کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرما دی اور ہم نے ان کو دنیا میں بھلائی عطا کی اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہیں۔(اے محبوب!) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ بھی ملت ابراہیم کی پیروی فرمائیے۔

یہ قبولیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو بھی پیغام دے رہے ہیں۔سبحان اللہ!!!۔

بی بی مریم علیہا سلام کی قبولیت:

حضرت عمرانؑ اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر گزرے ہیں۔ان کی بیوی حاملہ تھیں۔انہوں نے اپنی ہونے والی اولاد کے بارے میں اللہ رب العزت سے دعا مانگی۔دیکھیں قبولیت کہاں ہوتی ہے؟ جہاں شروع سے ہی فکر لگی ہوتی ہے۔ادھر گھر کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں اور قبولیت کی دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔اور ادھر ابھی بچہ پیٹ میں ہے، ابھی ولادت نہیں ہوئی اور ماں اس وقت سے فکر مند ہے.....قرآن مجید نے وہ صورت حال بھی بیان کر دی۔فرمایا،

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ

(ال عمرن:35)

جب عمرانؑ کی بیوی نے کہا، اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے اسے تیرے لیے خاص کر دیا، پس آپ اسے مجھ سے قبول فرما لیجئے۔

دیکھیں کہ ہم تو اب بوڑھے ہونے کی عمر کو آ گئے ہیں اور قبولیت کی باتیں سمجھ سکتے ہیں لیکن جن کو قبولیت ملتی ہے ان کے لئے ان کی ماں اس وقت سے قبولیت کی دعائیں مانگنا شروع کر دیتی ہے جب وہ ابھی اس کے پیٹ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا،

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا (ال عمرن:37) پھر اس کے رب نے اسے اچھی طرح سے قبول کیا اور اچھی طرح سے بڑھایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرما لیا۔ جب قبول فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کو کیا عزت دی..... سنیے قرآن عظیم الشان.....اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ (ال عمرن:42)

اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے لیے چن لیا اور تجھے پاکیزہ کر دیا اور تجھے دونوں جہانوں میں عورتوں پر ایک مقام عطا کر دیا۔

بخاری شریف کی قبولیت:

صحاح ستہ احادیث کی ایسی کتابیں ہیں جن کے بارے میں امت کے محدثین کا اجماع ہے کہ ان کے اندر جو احادیث لکھی گئیں ان کا ایک بڑا مقام ہے۔ لہٰذا علماء درس نظامی کے آخری سال میں انہی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ ان میں سے ''مؤطا امام مالک'' بھی ایک کتاب ہے۔ اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کے اعتبار سے ایسی پکی حدیثیں لکھی ہیں کہ اس کے رواۃ بڑے پکے ہیں۔ نبی علیہ

السّلام سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے غلام امام نافع رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی اور ان سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی۔ اس کو ''سلسلۃ الذہب'' کہتے ہیں۔ یہ تینوں ایسی پکی ہستیاں تھیں کہ یہ سونے کی کڑیوں کی مانند تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب کے اندر ایسی احادیث لکھیں اور وہ صحاح ستہ میں شامل ہوئی۔ لیکن ان تمام چھ کتابوں میں سے ایک کتاب جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کی اس کو اللہ رب العزت کی طرف سے ایسی قبولیت نصیب ہوگئی کہ آج قرآن مجید کے بعد احادیث کی کتب میں سے سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری شریف کو کہا جاتا ہے۔ اس کو ایسی قبولیت ملی کہ اگر آپ کسی جگہ پر کوئی حدیث بیان کریں تو دوسرا بندہ پوچھتا ہے کہ کیا یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ حالانکہ صحت حدیث کے درجے کو دیکھیں تو مسلم شریف کم درجے کی نہیں ہے۔ بلکہ اہل فن کے نزدیک مسلم شریف بخاری شریف کی نسبت زیادہ قوی ہے، مگر قبولیت بخاری شریف کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ''امیر المومنین فی الحدیث'' کہا جاتا ہے۔ وہ حدیث کی دنیا کے امیر المومنین بن گئے۔ حالانکہ اس دنیا میں لاکھوں محدثین گزرے ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ نے بخارا میں پیدا ہونے والے ایک نوجوان کو ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ جب اس نے وفات پائی تو اس کی قبر کی مٹی سے بھی لوگوں کو خوشبو آتی تھی۔

دارالعلوم دیوبند کی قبولیت:

اس وقت پوری دنیا میں ہزاروں درس گاہیں اور دارالعلوم ہوں گے۔ ایک مدرسہ ہمارے ایشیا میں بھی بنا جس کو ہم دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے اس کو ایسی قبولیت عطا فرما دی کہ اس دارالعلوم سے ایسا فیض پھیلا کہ پوری دنیا کے ایک ایک چپے پر اس کا علمی فیض پھیلا ہوا ہے۔

اس عاجز کو اللہ رب العزت نے اس دین کی دعوت کے سلسلے میں درجنوں ممالک میں جانے کی توفیق

عطا فرمائی.....افریقہ بھی دیکھا امریکہ بھی دیکھا.....ایشیا بھی دیکھا یورپ بھی دیکھا.....وہ جنگلات بھی دیکھے جہاں آدم خور درخت ہوتے ہیں۔ان درختوں کے ایسے پتے ہیں جو بندے کو اپنی لپیٹ میں لے کر ایسا جکڑ لیتے ہیں کہ بندے کا دم گھٹتا ہے اور وہ مر جاتا ہے.....ایسے ایسے درخت بھی دیکھے جن کے تنے کے سوراخ سے ڈبل ڈیکر بسیں گزر جاتی ہیں۔اندازہ لگائیں کہ وہ کتنا بڑا تنا ہوگا۔اس تنے کے اندر باقاعدہ سڑک بنی ہوئی ہے۔اور اس میں سے بسیں گزرتی ہیں .....سائبیریا کا علاقہ بھی دیکھا۔ وہاں آپ سینکڑوں میل تک بھی چلے جائیں تو آپ کو برف کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ایک مرتبہ ہمیں برف پر نماز پڑھنی پڑی.....اللہ اکبر!!!.....وضو کے لئے پانی بھی نہیں تھا۔چنانچہ ہم نے برف توڑ کر اندر سے پانی نکالا اور اس سے وضو کیا۔وہ پانی جس عضو پر پڑتا تھا وہ خون جمنے کی وجہ سے سرخ نظر آتا تھا۔برف اتنی ٹھنڈی تھی کہ ہم نے اس پر نماز پڑھی، دعا مانگی اور کھڑے رہے مگر جو چادر بچھائی تھی وہ چادر گیلی بھی نہ ہوئی۔وہ اسی طرح خشک تھی جیسے بچھائی تھی۔میرے ساتھی پوچھنے لگے،حضرت! چادر تو گیلی بھی نہیں ہوئی۔میں نے کہا، چادر تو اس وقت گیلی ہوتی جب برف پگھلتی۔ہمارے وہاں بیٹھنے اور نماز پڑھنے سے اتنا فرق بھی نہ پڑا کہ وہ برف تھوڑی سی پگھل جاتی اور چادر گیلی ہو جاتی.....ایسی جگہ بھی دیکھی جہاں برف کے مکانات بنے ہوتے ہیں۔چھت بھی برف کی،ستون بھی برف کے، دیواریں بھی برف کی، دروازے بھی برف کے۔اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہاں پر ایک ہوٹل بنا ہوا ہے اور وہاں جس ٹرے میں کھانا لاتے ہیں وہ بھی برف کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔اللہ کی شان دیکھئے کہ وہاں پر ٹمپریچر اتنا ڈاؤن ہوتا ہے.....ایسا علاقہ بھی دیکھا جس میں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے.....وہ جگہ بھی دیکھی جہاں لوگوں نے لکھ کر لگایا ہوا ہے کہ یہ End of the world ہے۔یعنی یہ دنیا کا آخری کنارہ ہے، سائنسدان اس بات پر متفق ہیں۔عین اس جگہ پر بھی اللہ رب العزت نے اس سفر میں پہنچنے کی

توفیق دی۔ یہ تمام باتیں اس لئے عرض کررہا ہوں کہ یہ عاجز جہاں بھی اپنی زندگی میں دین کی نسبت سے گیا، اس عاجز نے اپنے سے پہلے علمائے دیوبند کے کسی نہ کسی روحانی فرزند کو دین کا کام کرتے دیکھا۔ یہ ہوتی ہے قبولیت۔

یہ علم و ہنر کا گہوارا تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے
عابد کے یقین سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل
کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

سبحان اللہ، یہ اللہ رب العزت کے ہاں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ادارے کی کھلی قبولیت کی نشانیاں ہیں۔

ذبح عظیم کی قبولیت:

ایک اصول یاد رکھیں کہ جب قبولیت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فیض کو آنے والے لوگوں میں جاری فرما دیا کرتے ہیں۔ اس بات کی دلیل قرآن مجید سے دی جاسکتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کے نام پر قربان کیا۔ یہ قربانی کا عمل کوئی چھوٹا عمل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ (الصفت:106) بے شک یہ بہت بڑی آزمائش تھی

بھئی! امتحان دینے والے طلباء تو کہتے ہی ہیں کہ پیپر بڑا مشکل تھا۔ مزہ تو یہ ہے کہ امتحان لینے والا کہے کہ میں نے پیپر بڑا مشکل بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ یہ ایک بڑی آزمائش تھی۔

یہ قربانی اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ فرمایا،

وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ (الصفت:108) اور ہم نے آنے والوں میں اس عمل کو جاری کر دیا۔

نہ صرف یہی کام کیا بلکہ آگے فرمایا،

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الصفت:109) اے ابراہیم! تجھ پر سلامتی ہو۔

سبحان اللہ، امتحان لینے کے بعد خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے ابراہیم! تجھ پر سلامتی ہو۔ ہم اپنی زبان میں اس کا مفہوم یوں بیان کریں گے کہ اے ابراہیم! تجھے شاباش ہو، تو نے کیسی اچھی قربانی دی۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ قبول کر لیتے ہیں تو پھر اس بندے کے فیض کو یا اس ادارے کے فیض کو آنے والے لوگوں کے اندر جاری وساری فرما دیتے ہیں۔ یہ قبولیت کی نشانی ہوتی ہے۔

سعی بین الصفا والمروہ کی قبولیت:

حضرت ابراہیمؑ اپنی رفیقہء حیات ہاجرہ صابرہ کو بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ کر جانے لگے تو پوچھتی ہیں کہ آپ کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری مرتبہ پوچھا تو پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ پھر تیسری مرتبہ پوچھا کہ کیا آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ فرمایا' ہاں میں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگیں، اگر آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ اس کے بعد بیٹے کے لئے پانی کی خاطر صفا ومروہ پر دوڑیں۔ اللہ رب العزت کو ان کا دوڑنا اتنا پسند آیا کہ اس نے اس عمل کو آنے والے لوگوں میں جاری

کر دیا۔ جب تک حاجی سعی کا یہ عمل نہ کرے اس وقت تک اس کا حج مکمّل نہیں ہوتا۔

ایک چیونٹی کی قبولیت:

ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ اپنے لشکر کے ہمراہ جا رہے تھے راستے میں چیونٹیاں پھر رہی تھیں۔ ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا،

يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ (النمل:18) اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔

اللہ تعالیٰ کو چیونٹی کی خیر خواہی اتنی پسند آئی کہ نہ صرف اس کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا بلکہ ایک سورت کا نام النمل رکھ کر چیونٹی کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عزت بخشی۔ اس کے ذکر کو قیامت تک بلکہ قیامت کے بعد تک دوام مل گیا کیونکہ جنت میں بھی قرآن مجید پڑھا جائے گا۔

بھوک برداشت کرنے پر قبولیت:

ایک مرتبہ حسنین کریمینؓ بیمار ہو گئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے منت مانی کہ دونوں بیٹوں کو صحت حاصل ہو گئی تو ہم تین روزے رکھیں گے۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے دونوں شہزادے صحت یاب ہو گئے۔ پہلے دن روزہ رکھا تو افطاری کے لئے حضرت فاطمہؓ نے کھانا تیار کیا۔ افطاری سے پہلے ایک مسکین نے دروازے پر دستک دی۔ انہوں نے اس مسکین کو اپنے اوپر ترجیح دی اور کھانا اٹھا کر اسے دے دیا اور خود پانی سے روزہ افطار کر لیا۔ رات بھی ایسے ہی گزر گئی۔ دوسرے دن پھر روزہ رکھ لیا۔ شام ہوئی تو گزشتہ دن کی طرح کھانا پکا کر سامنے رکھا ہی تھا کہ ایک یتیم آ گیا۔ انہوں نے سارا کھانا اٹھا کر اس کو دے دیا اور خود پانی سے روزہ افطار کر لیا۔ تیسرے دن بھی روزہ رکھا اور افطاری کے وقت ایک قیدی دروازے پر آ گیا۔ انہوں نے تیسرے دن بھی کھانا اٹھا کر قیدی کو دے دیا اور خود پانی سے روزہ

افطار کرلیا۔اللہ تعالیٰ کو ان کو یہ عمل اتنا پسند آیا کہ ان کی شان میں اپنے محبوب ﷺ کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا،

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا (الدھر:9-8) اور وہ اس کی محبّت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) بے شک ہم اللہ کی رضا کیلئے کھلاتے ہیں ہمیں اس سے کوئی بدلہ اور شکر گزاری مقصود نہیں۔

سبحان اللہ، انہوں نے اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تین دن کے لئے بھوک برداشت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ قرآن مجید میں فرمادیا۔اس طرح قیامت کے بعد تک ان کے تذکرے کو دوام مل گیا۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کی قبولیت:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو حرم شریف میں حاضری کا بہت شوق تھا۔ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں ان کا جسم تو یہاں ہوتا مگر دل وہاں ہوتا۔ان دنوں میں وہ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے ''معلوم نہیں کہ عشاق کیا کر رہے ہوں گے''۔وہ حجاج کرام کو عشاق کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔وہ قربانی کے لئے گائے یا بکری خود گھر میں پالتے تھے۔وہ خود اسے پانی پلاتے اور چارہ ڈالتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شوق کو ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ جب وہ مدینہ منورہ گئے تو اٹھارہ سال تک مواجہہ شریف کے سامنے بیٹھ کر حدیث پاک پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔وہاں ان کے پاس عرب وعجم کے مشائخ سبق لینے کے لئے آتے تھے.....سبحان اللہ.....کیسا دوام ملا!!!

شاطبیہ رسالہ کی قبولیت:

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے شاطبیہ رسالہ لکھا تو اس کو ہاتھ میں لے کر بارہ ہزار طواف کیے۔ یعنی 84 ہزار مرتبہ بیت اللہ شریف کا چکر لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس رسالے کو ایسا دوام بخشا کہ اب کوئی شخص بھی شاطبیہ رسالہ پڑھے بغیر قاری نہیں بن سکتا۔ یاد رکھیں کہ قبولیت کا تعلّق اس محبّت کے ساتھ ہوتا ہے جو بندے کو اللہ رب العزت سے ہوتی ہے۔ وہاں تھوڑی سی بھی میل نہیں چلتی۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے ناکارہ عملوں کو بھی قبول فرمالے تو یہ اس مالک کی شان ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی قبولیت:

خواجہ غلام حسن سواک رحمۃ اللہ علیہ خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ وہ بڑے صاحب تصرف بزرگ تھے۔ وہ جس کی طرف آنکھ بھر کر دیکھتے تھے وہ مسلمان ہو جاتا تھا۔ ہندوؤں نے انگریز کی عدالت میں مقدمہ درج کروادیا کہ یہ ہمیں زبردستی مسلمان کرتے ہیں۔ انگریز جج نے ان کو عدالت میں طلب کرلیا۔ جج نے پوچھا، جی آپ ہندوؤں کو زبردستی مسلمان کیوں کرتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ نہیں میں نے تو ان کو مسلمان نہیں کیا یہ تو خود مسلمان ہوئے ہیں۔ جج نے اصرار کیا کہ نہیں تو نے مسلمان کیا ہے۔ آخر حضرت نے ہندو تھانیدار کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا، کیا اس کو بھی میں نے مسلمان کیا ہے۔ وہ تھانیدار فوراً کلمہ پڑھنے لگا۔ اب دوسرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ بھی کلمہ پڑھنے لگا۔ اس طرح وہاں کھڑے ہوئے پانچ ہندوؤں نے کلمہ پڑھ لیا۔ اب انگریز جج کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں میری طرف اشارہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے مقدمہ خارج کر دیا۔

وہ صاحب تصرف بزرگ تو ضرور تھے مگر ان کو وہ قبولیت نہ مل سکی جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو ملی۔ ان کی وجہ سے سات لاکھ افراد مسلمان ہوئے اور نوے لاکھ افراد ان کے مرید بنے۔ آج

انہیں ''سلطان الہند'' کہا جاتا ہے۔ایک مرتبہ ایک انگریز ہندوستان آیا۔ جب وہ واپس گیا تو اس سے کسی نے پوچھا کہ تو نے ہندوستان میں کیا عجیب چیز دیکھی۔اس نے کہا کہ ایک آدمی قبر میں لیٹے ہوئے بھی لوگوں پر حکومت کر رہا ہے۔

رابعہ بصریہؒ کی قبولیت:

کیا رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے علاوہ کوئی نیک عورت نہیں گزری۔ بہت سی عارفہ، عابدہ اور عفیفہ عورتیں گزری ہیں مگر رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کو بہت قبولیت ملی۔انہیں اللہ رب العزت سے بہت محبّت تھی۔ وفات کے بعد کسی کو خواب میں ملیں۔ پوچھا، اماں ! آگے کیا بنا؟ کہنے لگیں، میرے پاس منکر نکیر آئے اور کہنے لگے، من ربك تیرا رب کون ہے؟ میں نے ان کو جواب دیا کہ اللہ رب العزت سے جا کر کہو، اے اللہ ! تیری اٹھارہ ہزار قسم کی مخلوق ہے اور تو مجھ بڑھیا کو نہیں بھولا اور میرا تو تیرے سوا کوئی ہے ہی نہیں، بھلا میں تجھے کیسے بھول جاؤں گی۔سبحان اللہ۔

فقہ حنفی کی قبولیت:

اس امت میں سولہ فقہیں رائج ہوئیں اور ان کی خوب تقلید ہوتی رہی۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کے پیروکار کم ہوتے گئے۔ بالآخر چار فقہیں رہ گئیں اور وہی مشہور ہوئیں۔ گویا رحمت کی بارش ہوئی اور پانی کئی نالیوں میں بہنے لگا۔ بعد میں سمٹتے سمٹتے چار نہروں کی شکل میں بہنے لگا۔اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر فقہ پر عمل کرنا ہی ہے تو پھر چار کیوں ہیں۔اس کے جواب کے لئے ایک مثال پر غور کریں کہ ایک آدمی کے دس بچے ہوں اور ایک ایک کر کے مرتے رہیں اور باقی چار بچ جائیں۔ پھر بعد میں وہ آدمی خود بھی مر جائے تو جائیداد چار میں ہی تقسیم کیوں ہوگی۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے بیٹے تو دس تھے اور جائیداد صرف چار میں کیوں تقسیم ہوگی، تو یہی جواب آئے گا کہ ''جی اللہ کی مرضی''.....اسی طرح

''فقہیں چار ہی کیوں'' کا جواب بھی یہ ہے کہ جی اللہ کی مرضی۔

اللہ نے ان چار فقہوں میں سے فقہ حنفی کو زیادہ قبولیت عطا فرمائی۔ یہ ایسی فقہ ہے جس کو مسلمان ممالک کے اندر قانون کی حیثیت سے لاگو ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ جب خلافت عثمانیہ کا دور تھا تو ملک کا قانون فقہ حنفی کے مطابق اسلامی شریعت تھا اور جب برصغیر پاک و ہند میں مغل بادشاہوں کا دور آیا، اس وقت برصغیر میں بھی حکومت کی طرف سے فقہ حنفیہ نافذ تھی۔ یہ اعزاز صرف فقہ حنفی کو حاصل ہے۔ الحمدللہ ، آج آپ دیکھئے کہ پاکستان، ہندوستان، افغانستان، بنگلہ دیش، ترکی، ازبکستان، ترکمانستان، آذربائی جان، تاتارستان، رشیا، یوکرائن، عراق، شام اور ترکی میں فقہ حنفیہ پر عمل کرنے والوں کی اکثریت ہے۔ غور کیجئے کہ یہ آدھی دنیا سے زیادہ علاقہ بنتا ہے۔ یہ ہوتی ہے قبولیت۔

ایک دلہن کو قبولیت کی فکر:

ایک دلہن کو اس کے قریب کی عورتیں بنا سنوار رہی تھیں۔ اس کی ایک سہیلی نے اسے کہا، تجھے تو زیور بہت اچھے لگ رہے اور یہ سوٹ بھی بڑا سج رہا ہے اور تو بہت ہی خوبصورت لگ رہی ہے۔ جب اس نے اس طرح دلہن کی تعریف کی تو اس کی آنکھوں میں سے آنسو آگئے۔ وہ تعریف کرنے والی لڑکی گھبرا کر پوچھنے لگی، کیا مجھ سے کوئی خطا ہوگئی ہے، آپ کیوں رو رہی ہیں؟ وہ جواب میں کہنے لگی، آپ تو میرے حسن و جمال کی اتنی تعریفیں کر رہی ہیں، مگر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آپ نے تو اتنی تعریفیں کر ڈالیں، لیکن جس خاوند کے لئے آپ مجھے تیار کر رہی ہیں، اگر میں اس کے پاس گئی اور اسے پسند نہ آئی تو آپ کی تعریفیں میرے کس کام آئیں گی..... بالکل اسی طرح اگر لوگ ہمیں مفتی صاحب کہیں، خطیب صاحب کہیں، پیر صاحب کہیں یا صوفی صاحب کہیں تو کیا حاصل، دیکھنا تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سفر سے واپس آئے تو کسی نے

پوچھا، حضرت! کیسے رہے؟ آپ شاعر تھے۔ چنانچہ شعر میں جواب دیا، فرمایا،

یہاں ایسے رہے کہ ویسے رہے دیکھنا ہے کہ وہاں کیسے رہے

یعنی اصل بات تو یہ دیکھنے کی ہے کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے ہمارا حشر کیسے ہوگا۔ کیا ان کی نظر میں ہم قبولیت پائیں گے یا نہیں۔ اگر دنیا نے تعریفیں کر دیں اور اس پر ہم خوش ہو گئے تو پھر تو ہمیں اس کا کچھ بدلہ نہ ملا۔ اسی طرح کتنے ہی لوگ ہوں گے جو دنیا کے اندر مدرسے بنائیں گے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے اللہ! میں نے دین کی بڑی خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، ہاں تم نے سب کچھ اس لئے کیا کہ تجھے بڑا عالم کہا جائے..... فقد قیل ..... تجھے کہا جا چکا، اب ہمارے پاس تمہارے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔

قبولیت کے لئے فکر مند رہا کریں:

قبولیت کے لئے فکر مند ہو کر دعائیں مانگنی پڑتی ہیں کیونکہ بعض اوقات بندے کے اندر کمالات تو ہوتے ہیں مگر قبولیت حاصل نہیں ہوتی..... اس کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے..... آپ بازار سے پھل خریدنے کے لئے جاتے ہیں۔ آپ دکاندار سے کہتے ہیں کہ مجھے سیب دے دو۔ وہ آپ کو سیب دے دیتا ہے۔ اس کے پاس اور بھی پھل ہوتے ہیں لہٰذا وہ سیب تولنے کے بعد آپ سے کہتا ہے، جی یہ کیلے بھی لے لیجئے۔ اب کیلے خوبصورت بھی ہیں، خوشبودار بھی ہیں، بڑے اچھے سائز کے بھی ہیں اور موٹے بھی ہیں، مگر ان خوبیوں کے باوجود آپ ان کیلوں پر نظر ڈال کر کہتے ہیں کہ جی مجھے نہیں چاہئیں۔ اسی طرح آپ قندھاری انار بھی نہیں خریدتے۔ اگرچہ پھلوں کے اندر صفات اور کمالات بھی ہوتے ہیں مگر آپ ان کو نہیں چاہتے تو وہ دکاندار آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔ گویا کمالات کے باوجود وہ پھل آپ کی نظر میں قبولیت نہیں پا سکتے۔ اسی طرح اگر ایک آدمی کے پاس کچھ موجود ہو لیکن اللہ رب العزت کی رحمت کی

نظر ہی اس کی طرف نہ اٹھے تو پھر کیا بنے گا۔اس لئے دنیا کا کوئی بندہ بھی اپنی خوبیوں پر ناز نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ناز نہیں چلتا بلکہ اس کی بارگاہ میں نیاز چلتی ہے۔انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے جھک جائے اور اللہ تعالیٰ سے مانگے ، پھر اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہیں۔اور جس کے اندر انا آجائے ،نمود آجائے اور نمائش آجائے ، پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت نہیں ملا کرتی ۔ اس لئے ہمارے اکابر بہت زیادہ فکرمند رہتے تھے۔

آج ہم استغفار کرتے ہیں ۔ ہمارا استغفار گناہوں پر ہوتا ہے کہ اے اللہ ہم نے جو خطائیں کیں آپ ان پر ہمیں سزا نہ دیجئے ۔لیکن اللہ والوں کا استغفار یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ ہم نے جو اچھے اعمال کئے وہ اعمال ابھی بھی آپ کی شان کے مطابق نہیں ہیں ۔امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انسان کتنا ہی خشوع وخضوع سے عبادت کیوں نہ کرلے.....کتنا ہی بنا سنوار کے نماز کیوں نہ پڑھ لے .....ہماری ساری کی ساری نمازیں اللہ تعالیٰ کی شان کے پردوں سے نیچے رہ جاتی ہیں.....اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بھی بلند ہے،اس سے بھی بلند ہے،اس سے بھی بلند ہے۔یعنی ہم کبھی ایسی نماز نہیں پڑھ سکتے جس کے بارے میں یہ کہہ سکیں کہ یہ بالکل للہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہے ۔اس لئے ہمارے بڑوں نے چالیس چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نمازیں پڑھیں اور پھر حرم شریف میں حاضری کے وقت مقام ابراھیم پر دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا مانگی کہ اے اللہ

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

جب ہمارے بڑے یہ کہہ رہے ہیں تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں کہ ہم اپنی عبادات پر فریفتہ ہوتے پھریں کہ میں اتنا ورد کرتا ہوں ،اتنا کلمہ پڑھتا ہوں اور اتنا مراقبہ کرتا ہوں ۔ سچی بات یہی ہے کہ ہم جتنی

مرضی عبادات کرتے پھریں ہماری عبادتیں اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہوسکتیں۔

ہماری مثال تو ایسے بچے کی مانند ہے جسے باپ پہلے دن سکول بھیجتا ہے۔وہ بچہ اسکول سے واپس آکر باپ سے کہتا ہے جی ٹیچر نے مجھے لکھنا سکھایا ہے۔والد پوچھتا ہے بیٹا مجھے دکھاؤ کیا لکھا ہے؟ وہ ایک کاپی آگے کر دیتا ہے جس پر اس نے ٹیڑھی سی لکیریں لگائی ہوتی ہیں۔اس لئے کہ اسکول میں اس کا پہلا دن تھا اور اس کو تو لکھنا ہی نہیں آتا تھا لیکن چونکہ اس کا والد اس پر مہربان ہے اس لئے وہ اس کی حوصلہ افزائی کے لئے اس کی ٹیڑھی سی لکیروں پر بھی انعام دے دیتا ہے۔یہ اس کی خوشخطی کا انعام نہیں ہوتا بلکہ یہ انعام اس کے والد کی اس پر شفقت کی بنا پر ہوتا ہے۔یونہی سمجھ لیجئے کہ ہم جتنی نمازیں پڑھتے ہیں یا جتنی عبادتیں کرتے ہیں اگر ان پر ہمیں اجر ملے گا تو یہ اس لئے نہیں کہ ساری عبادتیں بڑی شان والی تھیں۔نہیں ہم ایسی عبادتیں کر ہی نہیں سکتے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہوں۔البتہ چونکہ اللہ تعالیٰ انسانوں پر رؤوف اور رحیم ہیں اس لئے انہیں ٹوٹی پھوٹی عبادتوں پر اپنی کمال شفقت اور مہربانی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اجر عطا فرما دیتے ہیں۔اس لئے کوئی بندہ دل میں یہ مت سوچے کہ میں نے بڑی عبادت کر لی۔اللہ رب العزت کے حضور اس لئے نیکی کا ہر کام کرنے کے بعد یہ دعا ضرور مانگنی چاہیے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرہ:127) اے ہمارے پرودگار اسے ہماری طرف سے (نماز) قبول فرما لے، بے شک تو سننے والا ہے جاننے والا ہے۔

مغفرت طلب کرنے کی تعلیم:

یہ بات اچھی سمجھ لیں کہ ہمیں اکثر عبادات کے بعد مغفرت طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے مثال کے طور پر.....

☆.....وضو ایک عبادت ہے۔ حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ وضو کے پانی کے جو قطرے گرتے ہیں ان کے ساتھ آدمی کے گناہ بھی جھڑ رہے ہوتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں ہے

اَلْوَضُوْءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ (وضو مومن کا اسلحہ ہے)

یہ ایک ایسا اسلحہ ہے جس سے وہ شیطان کا مقابلہ کرتا ہے۔ چونکہ یہ ایک عبادت ہے اس لیے وضو کے دوران دنیا کی باتیں کرنے سے منع کر دیا ہے کہ تم دعائیں پڑھتے ہوئے توجہ الی اللہ کے ساتھ وضو کرو۔ دیکھئے کہ وضو ایک عبادت ہے اور اس عبادت کو کر کے اٹھنے کے بعد کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے،

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ اے اللہ! تو پاک ہے اور تیری ہی حمد وثنا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔

غور کیجئے کہ وضو ایک عبادت ہے اس کے باوجود اس کو کرنے کے بعد استغفار کرنے اور توبہ کرنے کی تعلیم دی گئی۔

☆.....نماز مکمّل ہونے کے بعد سلام پھیرتے ہی ایک مرتبہ اللہ اکبر اور تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھنا مسنون ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نماز میں اگر کوئی کمی کوتاہی ہو چکی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتے ہیں۔

☆.....تہجّد کے وقت اٹھ کر عبادت کرنا کتنی فضیلت کی بات ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس وقت منادی یہ اعلان کرتا ہے کہ

هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَ لَهُ (ہے کوئی سوال کرنے والا کہ اس کو عطا کیا جائے)

یہ وقت اللہ کے مقبول بندوں کے اٹھنے اور دعائیں کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ جو اس وقت میں عبادت کرتا ہے وہ بہت بڑا کام کرتا ہے۔ لیکن اس عبادت کے بعد بھی بندے کو استغفار کی تعلیم دی گئی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الذریت:18-17) وہ ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور سحری کے وقت (اللہ کے حضور) استغفار کیا کرتے تھے۔

☆.....انسان زندگی میں عموماً ایک بار حج کرتا ہے۔ کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں جن کو بار بار حج کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ حج کا اتنا بڑا اجر ہے کہ فرمایا کہ جس بندے کو حج مبرور نصیب ہو جائے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹتا ہے کہ جیسے اس دن پاک تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔ اس حج میں وقوف عرفہ رکن اعظم ہے۔ میدان عرفات کی حاضری کے وقت اللہ رب العزت کی اتنی رحمتیں برستی ہیں کہ شیطان ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے شیطان کو یا تو بدر کے دن ذلیل وخوار ہوتے دیکھا تھا یا پھر میں نے اسے وقوف عرفہ کے دن ذلیل وخوار ہوتے دیکھا۔ یہ اپنے سر میں مٹی ڈال کر کہتا ہے کہ میری سالوں کی محنت ضائع ہو گئی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ حتی کہ ایک جگہ فرمایا گیا کہ جو بندہ وقوف عرفہ کرے اور پھر دل میں سوچے کہ میری دعائیں قبول نہیں ہوئیں تو اللہ رب العزت کو اس بندے پر بہت زیادہ غصہ آتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی سخی کے دروازے سے ہو کر واپس لوٹے اور کہے کہ مجھے وہاں سے کچھ نہیں ملا۔ اگر وہ سخی یہ سن لے تو اسے کتنا غصہ آئے گا کہ تم میرے دروازے پر آ کے کہہ رہے ہو کہ مجھے یہاں آ کر

کچھ نہیں ملا۔ اسی طرح اللہ تعالی کو بھی جلال آتا ہے کہ تم میرے در پر آئے ہو اور پھر کہتے ہو کہ کچھ نہیں ملا، نہیں میں بہت زیادہ عطا کرنے والا ہوں۔ چنانچہ انسان وہاں سے مغفرت لے کر واپس آتا ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا الحج العرفة (حج وقوف عرفات کا دوسرا نام ہے)۔ چونکہ وقوف عرفہ کرنے سے حج کا رکن اعظم ادا ہو جاتا ہے اس لیے جب انسان وہاں سے لوٹتا ہے تو گویا وہ بڑی خیر کثیر حاصل کر چکا ہوتا ہے۔

میرے دوستو! اگر ہم پر منحصر ہوتا کہ ہم حج پر جا کر دعائیں مانگیں تو ہمیں اپنے عیبوں کا بخوبی علم ہے۔ ہماری زبانیں جھوٹی، نگاہیں میلی، ہمارے بدن کا گوشت مشکوک غذا سے بنا ہوا اور لباس مشکوک مال سے بنا ہوا۔ پتہ نہیں ہماری دعائیں قبول ہوتیں یا نہ ہوتیں، لیکن اللہ رب العزت کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی دعا کر دی جس نے ہر حاجی کی دعا پر قبولیت کی مہر لگا دی۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السّلام نے حج کے موقع پر یہ دعا کی

''اے اللہ تو حاجی کی بھی مغفرت فرما اور جس کی مغفرت کی حاجی دعا کرے اس کی بھی مغفرت فرما''

تو دیکھئے کہ اگر آج بھی کوئی بندہ حج کرنے جاتا ہے تو اس کی دعاؤں پر نبی علیہ السّلام کی دعا کا سایہ ہے۔ ہم جیسے کیسے سہی مگر وہاں پہنچ گئے تو محبوب ﷺ کی دعا نے سایہ دے دیا۔ لہٰذا انسان اس جگہ سے دل میں پکا یقین کر کے نکلے کہ اللہ رب العزت نے پچھلے گناہوں کی مغفرت کر دی ہے اور اب میں نے ایک نئی زندگی شروع کرنی ہے۔

غور کیجئے کہ وقوف عرفات کر کے آنے والا جو گناہوں کو بخشوا چکا ہوتا ہے، مزدلفہ میں آتا ہے تو وہاں پھر دعائیں مانگتا ہے۔ اب اس کو ان دعاؤں کے بعد اللہ رب العزت پھر بھی استغفار کا حکم فرما

رہے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ(البقرہ:199)

پھر جہاں سے لوگ واپس ہوتے ہیں تم بھی وہیں سے واپس ہو اور اللہ سے مغفرت مانگو۔

یا میرے اللہ! حج کر رہے ہیں .....ایسا قبولیت والا عمل.....مگر آپ کا حکم ہے کہ اس کے بعد بھی ہم استغفار کریں.....اللہ اکبر کبیرا۔

☆.....اس سے بھی ایک بڑی مثال سن لیجئے۔ نبی ﷺ کی مبارک زندگی.....تقویٰ بھری زندگی..... خشیت الٰہی بھری زندگی.....اور اللہ تعالیٰ کی محبّت والی معصوم زندگی تھی۔ آپ ﷺ نے ایسی زندگی گزاری کہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہچانے کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ حجۃ الوادع کے موقع پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے میرے صحابہ! کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔ تو ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ نے گواہی دی کہ ادیت الامانت (اے اللہ کے محبوب ﷺ آپ نے امانت کا حق ادا کر دیا)۔ اس وقت نبی علیہ السّلام نے فرمایا، اے اللہ! اس پر گواہ رہنا۔

دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جو کہے کہ میں نے اپنی زندگی گزارنے کا حق ادا کر دیا۔ ایک ہستی ایسی ہے جس کی تصدیق ایک لاکھ سے زائد لوگ کر رہے ہیں کہ اے محبوب ﷺ آپ نے واقعی اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا جب محبوب ﷺ یہ حج کر کے واپس لوٹتے ہیں تو اللہ رب العزت کی طرف سے ان کو بھی پیغام آجاتا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (النصر:3-1)

دیکھئے تو سہی کہ ایسی پاکیزہ زندگی کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو براہ راست فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب! آپ استغفار فرمائیے

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اللہ کے محبوب ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو یہ دعا کرتے تھے،

سُبْحٰنَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ

جب اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ آپ عمل کر کے استغفار فرماتے تھے تو ہمیں تو بڑھ چڑھ کر اللہ رب العزت سے معافی مانگنی چاہیے۔ جس طرح ہم گلے سڑے پھلوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتے ممکن ہے کہ ہماری یہ بے حضوری کی نمازیں اور غفلت بھرے اعمال کو اللہ تعالیٰ بھی دیکھنا پسند نہ فرمائیں۔ پھر ہمارا کیا بنے گا؟ اس لیے آج اس بات کو ذہنشین کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ہر حال میں قبولیت کی دعائیں مانگنی ہیں۔

قبولیت اعمال کیلئے تقویٰ ضروری ہے:

کوئی بندہ اپنے کی عمل پر ناز نہیں کرسکتا کیونکہ

''ہر چہ گیرد علتی علت شود''

ہم جو اعمال کرتے پھرتے ہیں وہ بھی ہماری طرح ناقص ہیں کیونکہ ناقص جو عمل کرتا ہے وہ ناقص ہوا کرتا ہے۔ اگر ہم ان ناقص عملوں پر فریفتہ ہوئے پھریں اور اپنے آپ کو کچھ سمجھتے پھریں کہ جی میں مدرسے میں حدیث پاک کا سبق پڑھا رہا ہوں، میں تو خانقاہ میں بیٹھ کر لوگوں اللہ اللہ سکھا رہا ہوں میں تو اللہ تعالیٰ کے راستے دعوت کا کام کر رہا ہوں اور میں اقامت دین کے لیے بڑی کوششیں کر رہا

ہوں۔ان اعمال پر فریفتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں ہم کر تو رہے ہیں مگر یہ اللہ رب لعزت کی شان کے مطابق نہیں کر پا رہے۔لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم یہ سب کچھ کر کے بھی اللہ رب العزت کے سامنے قبولیت کے لئے معافی مانگیں اور دعائیں مانگیں کیونکہ جب نیک اعمال کریں گے اور پھر ڈریں گے تب اللہ رب العزت بندے کو قبولیت عطا فرمائیں گے۔اس لئے فرمایا:

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المآئدہ:27) اللہ تعالیٰ متّقیوں کے عمل قبول کرتا ہے۔

متقی کون ہوتا ہے؟.....ڈرنے والے کو متقی کہتے ہیں۔دوسرے الفاظ میں کہہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے ولواں کے ہی عملوں کو قبول فرماتا ہے۔یہ صفت ہمارے اکابر میں بدرجہءاتم موجود تھی

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں اللہ کا ڈر:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سرخیل امام ہیں۔نبی علیہ الصلوۃ والسّلام نے یہ نسبت ان کو عطا فرمائی اور ان سے پھر یہ نسبت آگے چلی۔نبی علیہ اسلام نے ارشاد فرمایا:

مَا صَبَّ اللّٰهُ فِیْ صَدرِیْ اِلَّا وَقَدْ صَبَّبْتُهٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ اللہ رب العزت نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا ہے میں نے اسے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا ہے۔

سبحان اللہ کیا ہی نور ملا ہوگا.....!!!.....کیا ہی نعمت ملی ہوگی۔

☆.....ایک حدیث پاک میں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مَیِّتٍ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اِبْنِ اَبِیْ قَحَافَةَ

جو شخص چاہے کہ وہ زمین کے اوپر کسی لاش کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر کو دیکھ لے۔

سبحان اللہ ان کی فنائیت کے کمال پر اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی موجود ہے۔

☆.....ایک حدیث پاک سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب میں لائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

لَوِاتَّزَنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ اُمَّتِیْ لَوَجِہَ اگر میری پوری امت کے ایمان کو ابوبکر کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر کا ایمان سب سے زیادہ ہو جائے۔

☆.....نبی علیہ الصلوۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا، مگر ابوبکر! تیرے احسان کا بدلہ قیامت کے دن اللہ رب العزت عطا فرمائیں گے۔ غور کیجئے کہ احسان کا بدلہ دینا مکارم اخلاق میں سے ہے اور جو یہ تعلیم دینے کے لئے دنیا میں تشریف لائے کہ احسان کا بدلہ دینا چاہیے، انہوں نے خود لوگوں کے احسانات کے بدلے چکانے کا کیسے حق ادا کر دیا ہوگا۔ ابوبکر! تیری عظمت پہ قربان جائیں تو نے کیسی پیاری زندگی گزاری، تو نے محبوب ﷺ پر ایسے ایسے احسانات کیے کہ آقا نے خود ارشاد فرمایا کہ میں نے سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا ابوبکر! تیرے احسانات کا بدلہ تجھے قیامت کے دن اللہ تعالی عطا فرمائیں گے۔

☆.....اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، کوئی بندہ کسی دروازے سے داخل ہوگا کوئی کسی دروازے سے داخل ہوگا، لیکن ایک ایسا شخص ہوگا کہ جس کو جنت کے آٹھوں دروازوں سے پکارا جائے گا اور وہ شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

ایسی مبارک زندگی گزارنے والی ہستی کے بارے میں آیا ہے کہ جب وہ بیٹھتے تھے تو اللہ رب العزت کے عظمت اور بے نیازی کو سوچتے تھے تو پھر ڈر کر کہا کرتے تھے،

اے کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا،

اے کاش! میں کسی مؤمن کے بدن کا بال ہوتا،

اے کاش! میں کوئی پرندہ ہوتا،

اے کاش! میں کوئی گھاس کا تنکا ہوتا،

وہ یہ الفاظ کس لیے کہتے تھے؟.....اس لئے کہ وہ اللہ رب العزت کی عظمت شان کو سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ ہم جو مرضی کر لیں، اللہ رب العزت بے نیاز ہے، وہ بغیر وجہ کے بھی ٹھکرا دے تو اس کو اس بات کا اختیار حاصل ہے۔اس لیے اتنی عظمت رکھنے والے بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اللہ کا ڈر:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی علیہ الصلوۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَكَانَ عُمَرًا (اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو وہ عمر ہوتا)

یعنی ان کے اندر ایسی صفات تھیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نے نبی بننا ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وقت کے نبی ہوتے۔ یہاں پر کئی دفعہ ایک طالبعلمانہ اشکال پیش ہوتا ہے کہ نبی علیہ السّلام نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کیوں نہ کہا کہ میرے بعد نبی ابوبکر ہوتے۔حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہی سوال پوچھا تو حضرت نے بڑا پیارا جواب دیا۔ ارشاد فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام اور تھا۔ان کو نبی علیہ السّلام کے ساتھ معیت کبریٰ حاصل تھی۔اس کیلئے معنا کا لفظ آتا ہے۔جب ان کو نبی علیہ السّلام کے ساتھ معیت حاصل تھی تو نبی علیہ السّلام نے فرمایا تھا لَوْ كَانَ بَعْدِی.....تو بعد میں کون آتا تھا؟ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ تھا۔اس لیے فرمایا.....لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَكَانَ عُمَرًا.....تو عمر کو نبوت کا مقام حاصل ہو جاتا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان تو بلند تھی ان کو تو...... اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ:40) والی آیت کے مصداق معیت کبریٰ حاصل تھی۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ان کی معیت پر عجیب مضمون لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر اسلام میں معیت دی، غار میں معیت دی اور مزار میں معیت دی۔ جنت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کو دو منزلہ مکان دیں گے۔ اوپر والی منزل پر اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ قیام فرمائیں گے اور نیچے کی منزل پر ابوبکر ہوں گے۔ اسی وجہ سے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے مکتوب میں ہم خانہء رسول کہا ہے ......سبحان اللہ...... یہ معیت صرف دنیا تک محدود نہیں رہی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں بھی ہم خانہء رسول بنا کر اپنے محبوب ﷺ کی معیت عطا فرما دیں گے۔

☆......ایک دفعہ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ نبی ﷺ نے پوچھا، حمیرا! آپ کیا دیکھ رہی ہیں، عرض کیا اے اللہ کے محبوب ﷺ میں دیکھ رہی ہوں کہ آسمان پر اتنے ستارے ہیں، کیا کسی بندے کی اتنی نیکیاں بھی ہوسکتی ہیں۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا' ہاں عمر رضی اللہ عنہ کی اتنی نیکیاں ہوں گی۔

☆......نبی ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں خوشخبری دی تھی کہ عمر جس راستے سے گزرتا ہے شیطان اس راستے کو چھوڑ جاتا ہے۔

☆......قرآن مجید میں کتنے مقامات ایسے ہیں جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اللہ رب العزت کی منشاء کے مطابق نکل آئی۔ ان کو ایسی عقل سلیم نصیب تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا فہم عطا کر دیا تھا کہ انہوں نے اِدھر رائے دی اور وہ واقعی اللہ رب العزت کی منشا کے مطابق نکلی۔

جن کا یہ مقام تھا ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اللہ رب العزت سے اتنا ڈرتے تھے کہ وہ اپنے بارے میں ہر وقت ڈر کر روتے تھے حتیٰ کہ ان کے رخساروں پر آنسوؤں کے بہنے کی وجہ سے لکیروں کے نشان پڑ گئے تھے۔ انہوں نے کبھی ایسا شربت نہیں پیا جس میں ان کے آنسوؤں کی ملاوٹ نہ ہوتی ہو۔ وہ شربت پینے لگتے تھے اور اوپر ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگتے تھے۔ ان کو خوف دامن گیر رہتا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے سارے عملوں کا اجر اس شکل میں مجھے دنیا میں ہی دیا جا رہا ہو۔

انہوں نے اپنے دور خلافت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا حذیفہ رضی اللہ عنہ مجھے پتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو منافقین کے نام بتلا دیئے اور یہ بھی پتہ ہے کہ آپ کو کسی اور کو نام بتانے سے منع بھی کر دیا تھا، لہٰذا میں آپ سے ان کے نام نہیں پوچھتا لیکن آپ مجھے اتنا تو بتا دیں کہ کہیں ان میں عمر کا نام تو شامل نہیں ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت قریب ہوا تو آپ نے بیٹے کو بلایا اور فرمایا' بیٹا! مجھے جلدی نہلانا ' جلدی کفن دینا اور جلدی دفن کر دینا۔ انہوں نے عرض کیا، اے امیر المومنین! ہم جلدی تو کریں گے مگر آپ اتنی تاکید کیوں فرما رہے ہیں؟ جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عجیب الفاظ ارشاد فرمائے، فرمایا' میں اتنی جلدی کی تاکید اس لئے کر رہا ہوں کہ اگر اللہ رب العزت مجھ سے راضی ہوئے تو تم لوگ مجھے جلدی اللہ سے ملا دینا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے خفا ہوئے تو میرا بوجھ اپنے کندھوں سے جلدی اتار دینا' اور عمر کے انجام کو تو اللہ بہتر جانتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور خوف خدا:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے مقرب اولیاء میں سے تھے۔ وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ وہ ان کی چالیس افراد پر مشتمل تدوین فقہ کی مشاورتی کونسل کے ممبر

تھے۔ وہ بہت بڑے محدث تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا مقام عطا کیا ہوا تھا۔ حتی کہ اسماء الرجال کی کتب میں ان کے بارے لکھا ہے کہ محدثین میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی اجتماعی طور پر اتنے تعریفی الفاظ استعمال نہیں ہوئے جتنے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کیلئے استعمال کئے گئے۔ وہ ایک وقت میں چالیس ہزار لوگوں کو حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں سپیکر نہیں ہوا کرتے تھے۔ لہٰذا جب وہ حدیث پاک کی تلاوت کرتے تو لوگ سن کر مکبر کی طرح آگے سناتے تھے۔ ایک دفعہ ان مکبر لوگوں کی تعداد گنی گئی تو ان کی تعداد بارہ سو (۱۲۰۰) نکلی۔ اب بتائیے کہ جب مکبر بارہ سو ہوں تو پھر مجمع کتنا بڑا ہوگا۔

ان کے بارے میں ایک محدث نے عجیب بات کہی کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو کئی سال قریب سے دیکھا۔ میں نے ان کی زندگی میں اور صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ایک فرق دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کو نبی ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل تھا لیکن عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو وہ شرف حاصل نہیں، باقی اِن کی زندگی میں اور اُن کی زندگیوں میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آیا۔

جب عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا آخری وقت ہوا تو وہ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے شاگرد کو حکم دیا کہ مجھے زمین پر لٹا دو۔ شاگرد حیران ہوا کہ حضرت کیا کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے دوبارہ حکم دیا۔ چنانچہ اس نے اٹھا کر نیچے زمین پر لٹا دیا۔ اس وقت زمین پر کوئی قالین وغیرہ نہیں تھے۔ سب طلباء کی چیخیں نکل گئیں، کیونکہ جب انہوں نے اپنے استاد کو زمین پر لٹایا تو دیکھا کہ عبداللہ بن مبارک اپنے رخسار کو زمین پر رگڑنے لگے اور داڑھی کے بالوں کو پکڑ کر روتے ہوئے کہنے لگے..... اللہ! عبداللہ بن مبارک کے بڑھاپے پر رحم فرما..... انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں محدث ہوں، نہیں کہا کہ میرے وعظ سے لوگوں کی زندگیاں بدلی ہیں، نہیں کہا کہ میں نے تقوی کی زندگی گزاری، نہیں کہا کہ میں نے راتوں کو

عبادتیں کیں، انہوں نے اپنا کوئی عمل اللہ کے سامنے پیش نہیں کیا، بلکہ اپنے آخری وقت میں اپنی داڑھی کو پکڑ کر صرف یہ عاجزی کر رہے ہیں، اللہ! عبداللہ بن مبارک کے بڑھاپے پر رحم فرما۔

جب ایسے پیارے اعمال کرنے والے ہمارے بڑوں کے خوف خدا کا یہ عالم تھا تو میرے دوستو! ہم اپنے اعمال پر کیسے فریفتہ ہو سکتے ہیں۔ ہم کیسے مان سکتے ہیں کہ ہم بڑے ذاکر مشاعل بن گئے اور شب زندہ دار بن گئے۔ یہ سب شیطان کا دھوکہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اپنے گناہوں پر تو رونا ہی ہے، ہمیں جو اپنی نیکیوں پر فخر ہے اس پر اس سے بھی بڑھ کر رونے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اللہ رب العزت سے یہ دعا مانگنی ہے کہ اے اللہ! ہمارے ان ٹوٹے پھوٹے عملوں کو قبول کر لیجئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قبولیت کے قابل نہیں ہیں..... بے ذوق سجدے بے سرور نمازیں..... ہم مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں اور گلی کوچہ بازار کی سیر کر رہے ہوتے ہیں۔

اپنی قابلیت پر نظر نہ رکھیں:

آج کی اس محفل میں اس نکتے کو سمجھنے کی کوشش کرنی ہے کہ ہم اپنی قابلیت کو مت دیکھا کریں بلکہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول کروانے کے لئے ہر قت فکر مند رہا کریں۔ اس لئے کہ جب کبھی اس پروردگار کی نگاہ ناز پڑ جاتی ہے تو پھر بڑے بڑے بھی کانپ جاتے ہیں۔

عدل کریں تے کمبدے جاون اچیاں شاناں والے
تے فضل کریں تے بخشے جاون میں جیئ وی منہ کالے

اگر اس کے عدل کا معاملہ ہوا پھر ہمارے لیے مشکل بن جائے گی اور اس کا فضل ہوگا تو ہم جیسے منہ کالے بھی بخشے جائیں گے۔ اس دنیا میں بہت سے ایسے لوگ گزرے جنہوں نے بڑی عبادتیں کیں مگر پھر بھی قبول نہ ہو سکے۔ بنی اسرائیل میں ایک عابد گزرا۔ اس نے چار سو سال عبادت کی۔ ہماری تو عمر بھی

سوسال نہیں ہو پائی مگر اس نے چار سوسال عبادت کی۔ حتیٰ کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس بندے کو مستجاب الدعوٰت ہونے کا مقام عطا فرمایا گیا۔ وہ جو بھی دعا کرتا تھا قبول ہوتی تھی۔ وہ چار سوسال تک عبادت کرنے والا اور قبولیت دعا کے مرتبے تک پہنچنے والا بندہ بن گیا۔ مگر وہ ایک خطا کر بیٹھا جس کی وجہ سے اللہ رب العزت کو جلال آ گیا اور رب کریم نے اس کی چار سوسال کی عبادتوں کو ٹھکرا کے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (الاعراف:176) اس کی مثال کتے کی مانند ہے۔

اللہ! جو بندہ آپ کے سامنے چار سوسال تک سجدے کرتا رہا اس کے بارے میں آپ نے قرآن مجید میں فرما دیا کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں۔ ہمارے پلے کیا ہے کہ ہم اپنی ادنیٰ سی عبادتوں پہ ناز کرتے پھریں۔ میرے دوستو! ہمیں اپنے رب سے قبولیت مانگنی ہے کہ اے اللہ! ہم اپنے کھوٹے سکوں پہ فریفتہ ہوئے پھر رہے ہیں مگر آپ اپنے فضل سے ان کو قبول فرما لیجئے۔

ایک چشم کشا واقعہ:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں حضرت عبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے۔ حافظ قرآن اور حافظ حدیث بھی تھے۔ ان کو ایک لاکھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں اور لاکھوں انسانوں کے روحانی پیشوا تھے۔ ایک مرتبہ ان کے اندر تھوڑی سی عجب کی کیفیت آ گئی۔ ہوا یہ کہ انہوں نے ایک مرتبہ عیسائیوں کی بستی کے قریب سے گزرتے ہوئے صلیب کا نشان دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ یہ کتنے کم عقل ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہیں۔ اتنی سی بات پہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈال دیا، گویا یہ فرما دیا کہ اگر تم

ہدایت پر ہو تو کیا یہ تمہارا کمال ہے یا ہمارا کمال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی آزمائش میں ڈالا کہ وہ سؤر چرانے لگ گئے۔ شاگردوں سے کہہ دیا کہ تم چلے جاؤ کیونکہ میرے اندر سے سب کچھ چلا گیا ہے۔ لوگ پریشان ہو کر واپس چلے گئے۔

ایک سال کے بعد حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کا حال معلوم کرنے کیلئے واپس آئے۔ لوگوں سے پوچھا کہ ہمارے شیخ کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا، کہیں جنگل میں عیسائیوں کے سؤر چراتے پھر رہے ہوں گے۔ چنانچہ وہ وہاں سے جنگل میں گئے اور دیکھا کہ وہی جبہ، وہی عمامہ اور وہی عصا جس کو لے کر کبھی وہ جمعہ کا خطبہ دیا کرتے اور قال اللہ اور قال الرسول پڑھا کرتے تھے، آج اسی حلیے میں سؤر چراتے پھر رہے ہیں۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ قریب ہو کر کہتے ہیں، حضرت آپ قرآن مجید کے حافظ تھے، کیا ابھی تک حفظ یاد ہے یا بھول گئے؟ کہنے لگے، میں سب بھول گیا۔ انہوں نے کہا، حضرت! کوئی ایک آیت بھی یاد نہیں؟ حضرت نے ذہن پر زور دیا تو کہنے لگے، ہاں ایک آیت یاد ہے وہ آیت یہ ہے۔

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ (الحج:18) جسے اللہ ذلیل کرے پھر اسے عزت دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔

پورا قرآن بھول گئے صرف یہ ایک آیت یاد رہی..... اللہ اکبر..... پھر پوچھا، حضرت آپ کو کوئی حدیث یاد ہے؟ فرمایا' میں سب بھول گیا ہوں۔ عرض کیا کوئی ایک حدیث بھی یاد نہیں؟ کہنے لگے ہاں ایک حدیث یاد ہے، مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ جو دین کو بدل دے اسے قتل کر دو۔

اس پر حضرت شبلی کو بڑا دکھ ہوا اور رونے لگ گئے۔ جب وہ رونے لگے تو ان کے شیخ پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نظر ہوئی اور انہوں نے بھی رونا شروع کر دیا۔ انہوں نے روتے ہوئے یہ الفاظ کہے، اے اللہ!

میں آپ سے یہ امید تو نہیں کرتا تھا کہ مجھے اس حال میں پہنچا دیا جائے گا۔ جب انہوں نے عاجزی کے یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ کو رحم آ گیا اور اللہ رب العزت نے ان کو وہ سب نعمتیں واپس لوٹا کر پھر وقت کا عظیم شیخ بنا دیا۔

تڑپا دینے والی آیات:

قرآن پاک میں کچھ آیتیں ایسی ہیں جو بندے کو تڑپا کے رکھ دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر.....

(۱).....اللہ تعالیٰ نے فرمایا، سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (الاعراف:182) ہم ان کو درجہ بہ درجہ اس طرح نیچے اتاریں گے کہ انہیں اس کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔

ذرا غور کیجئے کہ بعض علماء ایسے ہیں جو طالب علمی کے زمانے میں تہجّد بھی پڑھتے تھے، اشراق چاشت اور اوّابین بھی پڑھتے تھے، لیکن جب وہ پڑھ کر گھر واپس آئے اور شادی ہوگئی تو ان کی زندگی کی وہ ترتیب بدل گئی۔ وہ اپنے آپ کو عالم ہی سمجھتے رہتے ہیں۔ اگر انہیں عمل کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو وہ خود کہتے ہیں کہ طالب علمی کی زندگی بڑی اچھی زندگی تھی۔ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم بھی اس آیت کا مصداق بن گئے ہوں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ پہلے تو بڑی تقویٰ بھری زندگی ہوتی ہے لیکن جب اس کا کوئی بول یا کوئی حرکت اللہ تعالیٰ کو ناپسند آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو فوراً نہیں گراتے بلکہ آہستہ آہستہ نیچے لے کر آتے ہیں،

..... پہلے تہجّد کی نماز کا اہتمام تھا، اب وہ چھوٹنا شروع ہو جاتی ہے،

.....پھر اس کے بعد اشراق کا بھی اہتمام نہیں رہتا،

.....پھر چاشت اور اوّابین کا اہتمام بھی ختم ہو جاتا ہے،

.....پھر تکبیر اولیٰ کا اہتمام جاتا رہتا ہے،

.....پھر اس کے بعد مسواک کی سنت کا اہتمام بھی ختم ہو جاتا ہے،

.....پھر فرائض بھی چھوٹنا شروع ہو جاتے،

.....حتیٰ کہ انسان حرام کا مرتکب ہونے لگ جاتا ہے،

یہ وہ بندہ تھا جو متقی تھا، لیکن اس نے تکبّر اور غرور کی وجہ سے کسی کو نیچی نظر سے دیکھا اور میرے مالک کو یہ بات ناپسند آ گئی۔ لہٰذا اس نے اس کو آہستہ آہستہ نیچے اتارا کہ اس کو اترنے کا پتہ بھی نہ چل سکا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.....

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (الاعراف:182)

یہ آیت پڑھتے ہیں تو دل کو کچھ ہوتا ہے کہ یا اللہ! کہیں ہمارے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہو جائے۔

(۲).....ایک اور آیت بھی ایسی ہی ہے جس کو پڑھ کر بندے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ آیت سننے سے پہلے یہ بات سنیں کہ ایک مرتبہ ہم مدینہ طیبہ سے حج کے لئے جا رہے تھے۔ ہماری گاڑی میں ایک ایسا آدمی بھی آ کر بیٹھ گیا جو وہاں کام کرتا تھا اور اسے قانونی طور پر پانچ سال میں ایک بار حج کرنے اجازت تھی مگر محبّت اسے کھینچ کے لے جا رہی تھی۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ میں چیک پوسٹ تک جاؤں گا، اگر انہوں نے آگے جانے دیا تو میرا حج ہو جائے گا اور اگر روک لیا تو واپس آ جاؤں گا۔ جب چیک پوسٹ کے قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں اور اس کا چہرہ پیلا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیفیت کیوں ہے؟ وہ کہنے لگا جی وہ چیک پوسٹ سامنے آ گئی ہے، وہ کسی گاڑی

کو دیکھ کر اشارہ کرتے ہیں کہ جاؤ اور کسی گاڑی کو اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ رک جاؤ۔ اگر انہوں نے ہمیں کہہ دیا کہ رک جاؤ تو میرا کیا بنے گا، یہ کہہ کر اس نے رونا شروع کر دیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس عاجز نے قرآن پاک پر نظر ڈالی تو ایک آیت سامنے آئی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو دیکھ کر فرشتوں کو حکم دیں گے،

وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (الصفت:24) اور ان کو روک لیجئے ان سے ہم سوال کریں گے۔

انہوں نے بڑے بول بولے تھے..... یہ اپنے آپ کو بڑی شے سمجھتے تھے..... من آنم کہ من دانم..... دوسروں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ تو فاسق و فاجر ہیں اور خود یہ دوسروں کی غیبت کیا کرتے تھے..... یہ دوسرں کو ایذا پہنچاتے تھے..... یہ دوسروں کے حقوق غضب کیا کرتے..... یہ دوسروں کی عیب گوئی اور عیب جوئی کیا کرتے تھے..... دوسروں کی عزتوں پہ ڈاکہ ڈالا کرتے تھے..... وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (الصفت:24) ان کو روک لیجئے ہم ان سے تفتیش کریں گے، ہم ان کے اعمال کا جائزہ لیں گے کہ یہ کیسی زندگی گزار کے آئے ہیں اور حدیث پاک میں آیا ہے۔

مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ فَقَدْ عُذِّبَ جس کے حساب کی تفتیش شروع ہوگئی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب دیا جائے گا۔

ہمیں بھی اپنے بارے میں سوچنا ہے کہ ہم کیسی زندگی گزارتے پھر رہے ہیں۔ میرے دوستو! یہ مت سوچئے کہ میں یہ کر رہا ہوں اور میں وہ کر رہا ہوں۔ نہیں بلکہ یہ سوچئے کہ میں جو کر رہا ہوں پتا نہیں کہ وہ اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، اصل چیز قبولیت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ قبولیت کا سوال کیجئے۔

ایک عبرت ناک واقعہ:

صید الخاطر کتاب میں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا۔ جب میں اس واقعہ کو پڑھتا ہوں تو روئے بغیر آگے نہیں گزر سکتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مصر کی جامع مسجد میں ایک مؤذن تھا۔ اس نے مینار پر چڑھ کر سالہا سال تک اللہ اکبر کی صدائیں بلند کیں۔ ظاہر میں وہ دین کا کام والا تھا لیکن اس کے دل سے خوف خدا رخصت ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں فسق و فجور بھر چکا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اذان دینے کے لئے مینار پر چڑھا۔ مینار کے آس پاس مکانات تھے۔ اس کی نظر عیسائیوں کے ایک مکان میں پڑی۔ وہاں اسے ایک خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ لڑکی پر نظر پڑتے ہی اس کے اندر کی کیفیت ختم ہوگئی۔ چنانچہ وہ اذان دینے کی بجائے مینار سے نیچے اترا اور اس لڑکی کے باپ سے ملا۔ اس نے کہا، جی آپ اپنی بیٹی سے میری شادی کر دیجئے۔ وہ کہنے لگا، اس کام کے لئے تمہیں عیسائی ہونا پڑے گا۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے میں عیسائی ہونے کے لئے تیار ہوں، آپ اس سے میری شادی کر دیں چنانچہ وہ عیسائی ہو گیا۔ لڑکی کے باپ نے کہا، تم اوپر والی منزل میں آؤ ہم اس سے تمہارا نکاح کر دیتے ہیں۔ جب وہ اوپر چڑھنے لگا تو اس کا پاؤں سیڑھیوں سے پھسل گیا۔ وہ وہیں گردن کے بل گرا اور اسے موت آ گئی۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

یہ واقعہ پڑھنے کے بعد سوچتا ہوں کہ اے اللہ! اس نے سالہا سال تیرا نام بلند کیا ہوگا۔ پتہ نہیں کہ آپ کو اس کی کونسی بات ناپسند آ گئی کہ اتنے بڑے عمل کے باوجود آپ نے اس کو آخری وقت میں ایمان سے بھی محروم کر دیا..... اس واقعہ کو ذہن میں رکھ کر ہمیں بہت زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔ یہ مت سوچنا کہ ہم مسجد میں بیٹھتے ہیں، ذکر کی محفلوں میں جاتے، ہم بیعت ہو کر بڑے درجے کو پہنچ گئے۔ اس کو اجازت و خلافت مل گئی، یہ سب باتیں معمولی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے ہاں اپنی قبولیت کروانی ہے

اور قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنی ہے۔

قبولیت پانے کا انمول نسخہ:

میرے دوستو! ہم عیبوں والے ہیں۔اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے عیبوں کو تسلیم کرلیں۔ ہماری غلطی یہ کہ اگر کوئی ہمارے بارے میں ذرا سی بات کردے تو ہمیں غصہ آجاتا ہے۔ یہ غصہ اس لئے آتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو غلطی سے برتر سمجھتے ہیں۔ جبکہ ہمارے اکابر نے کہا کہ سالک کی پہچان یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ اس کی غیبت کرے تو یہ سن کر بجائے غصہ ہونے کے اپنے دل میں اتنا کہہ دے کہ واقعی میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں ایسا ہی ہوں۔ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ کسی نے ان کے سامنے بڑھ چڑھ کے کہا کہ آپ میں یہ عیب بھی ہیں یہ عیب بھی ہیں۔ وہ سنتے رہے بالآخر فرمانے لگے، بھئی اگر آپ نے اور بھی ناراض ہونا ہے تو ہولیں کیونکہ آپ کو میرے تھوڑے عیبوں کا پتا ہے اور مجھے اپنے زیادہ عیبوں کا پتا ہے۔ ہمارے اکابر کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے آپ پر نظر رکھتے تھے۔اگر ہم بھی اس طرح اپنے آپ پر نظر رکھیں گے تو اللہ رب العزت کی طرف سے قبولیت پالیں گے۔

اک عجیب دعا:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ:111) بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمن بندوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں۔

اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ کرکے ایک شاعر نے فارسی میں بڑا عجیب مضمون باندھا ہے،

تو بہ علم ازل مرا دیدی آنگہ بعیب بخریدی

تو بعلم آں ومن بعیب ہماں رد مکن آنچہ خود پسندیدی

(اے اللہ! تو نے اپنے ازلی علم کے ساتھ مجھے دیکھا۔ اس وقت عیب کے ساتھ دیکھنے کے باوجود تو نے مجھے خریدا ہے۔ تو علم کے ساتھ وہی ہے اور میں عیب کے ساتھ وہی ہوں۔ جس چیز کو تو نے پسند کیا اسے رد نہ فرما،)

اگر اس طرح ہم اللہ سے عاجزی کے ساتھ دعائیں مانگیں گے تو پھر اللہ رب العزت کی طرف سے ہم پر رحمتیں ہوں گی۔

آخری لمحے تک ڈرنے کی ضرورت:

میرے دوستو! یاد رکھیں کہ زندگی کے آخری لمحے تک کوئی بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے امن میں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کیا پتا کہ کس وقت کیا معاملہ پیش آجائے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ آخری وقت میں ان کے شاگردوں نے ان کے سامنے کلمہ پڑھنا شروع کیا۔ امام صاحبؒ فقط لا ۔لا کہہ رہے تھے، پورا کلمہ نہیں پڑھ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد جب ان کی طبیعت بحال ہوئی تو شاگردوں نے پوچھا، حضرت کیا بنا تھا۔ فرمایا' شیطان میرے سامنے آکر کہنے لگا۔ احمد بن حنبل تو تو ایمان بچا کر دنیا سے چلا گیا اور میں کہہ رہا تھا' لا ابھی نہیں، او مردود! جب تک میرا آخری سانس نہیں نکل جاتا اس وقت تک میں تیرے مکر سے امن میں نہیں ہوں..... جب ہمارے بڑوں کا یہ حال تھا تو پھر ہم اپنی زندگی میں کیسے اس سے امن میں آسکتے ہیں۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہمیشہ ڈرتے رہیں اور کانپتے رہیں اور جو ٹوٹے پھوٹے عمل کرتے پھرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ اے اللہ! ان کو قبول فرما لیجئے۔ قبولیت کا اصل اعلان تو قیامت کے دن اللہ رب العزت کے حضور پہنچ کر ہوگا۔ دنیا میں پتا نہیں چل سکتا کہ کون کس حال میں ہے،

کون مقبول ہے کون مردود ہے بے خبر کیا خبر تجھ کو کیا کون ہے
جب تلیں گے عمل سب کے میزان پر تب کھلے گا کہ کھوٹا کھرا کون ہے

یہ تو قیامت کے دن پتہ چلے گا کہ کون کس درجے کا تھا۔ آج ہم اپنے شیخ کو اونچا درجہ دیتے ہیں۔ ان کے درمیان موازنہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سب بے ادبی کی باتیں ہیں۔ ہمیں سب مشائخ کی عزت کرنی چاہیے۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے سمجھنا چاہیے اور اپنے آپ کو دنیا میں سب سے کم درجے کا کم عمل بندہ سمجھنا چاہئے۔

اے اللہ! ہمارے ان کھوٹے عملوں کو قبول فرما لیجئے گا اور قیامت کے دن ہمیں اپنے دربار میں سرخرو فرما لیجئے گا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ o
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ
يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ